وعظ

آثار المحبّت

(اللہ سے محبت کی علامات)

یہ وعظ حضرت تھانویؒ نے مسجد حلوائیاں قصبہ کھتولی رات کے وقت ۴ رجب ۱۳۳۰ھ کو بیان فرمایا۔ تقریباً ۲ گھنٹے کھڑے ہو کر بیان فرماتے رہے۔ سامعین کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ مولانا سعید احمد صاحب تھانوی نے قلمبند فرمایا۔

آثار المحبّت

(اللہ سے محبت کی علامات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی الہ واصحابہ و ازواجہ و بارک وسلم اما بعدفاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم قال اللہ تبارک وتعالیٰ:﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾(۱)

تمہید وضرورت بیان

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک نہایت ضروری مضمون جس کے جاننے کی سب کو ضرورت ہے بیان فرمایا ہے اور چونکہ ضرورت مشترک ہے تمام مسلمانوں میں اور پھر ہر وقت کے اعتبار سے ضروری ہے لہذا یہ بیان بہت سے مضامین کے قائم مقام ہوگا جن کیلئے مختلف اوقات میں متعدد جلسوں کی ضرورت ہوتی، چونکہ اس وقت یہاں بیان کرنے کا پہلا موقع ہے اور پھر

(۱) جولوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت مضبوط ہیں۔ سورۃ البقرۃ:۱۶۵

خدا جانے کب موقع ملے۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوا کہ ایسا مضمون اختیار کیا جائے جو کہ جامع ہو، چنانچہ یہ مضمون اسی قبیل کا ہے اور قرآن شریف میں اس قبیل کے اکثر مضامین ہیں۔

نیز یہ بھی ارادہ ہے کہ نہایت سہل عنوان سے اس کو بیان کیا جائے کیونکہ یہاں اکثر لوگوں کو یہ پہلا موقع وعظ سننے کا ہوگا۔ اور دقیق مضامین (۱) سمجھنے کیلئے اکثر پہلے سے مناسبت کی ضرورت ہوتی ہے، خاص کر اس لئے بھی کہ اس وعظ میں عورتوں کا بھی مجمع ہے اور دقیق مضامین ان کے فہم (۲) سے بالا ہیں اس لئے دقیق مضامین کو بیان نہ کیا جائیگا۔ بلکہ بہت سہل مضامین ہوں گے۔

خبر سے مقصود انشاء ہے

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بلا تخصیص مسلمانوں کی ایک شان کو بیان فرمایا ہے۔ اور ہر چند کہ عنوان کے اعتبار سے یہ جملہ خبریہ ہے لیکن غور سے معلوم ہوگا کہ مراد اس سے ایک انشاء (۳) ہے۔ اور قرآن مجید میں جس قدر بھی جملِ خبریہ ہیں ان سے کوئی نہ کوئی انشاء ہی مراد (۴) ہے۔ بلکہ روزمرہ کے معاملات میں بھی دانشمندوں (۵) کے کلام میں جملہ خبریہ سے انشاء ہی مراد ہوتی ہے کیونکہ مقصود ہر خبر سے کوئی نتیجہ ہوتا ہے اور وہ انشاء ہوتی ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص کسی کے مرض کی خبر دے تو ہر عاقل سمجھتا ہے کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ اس کی خبر لو (۶) یا اس کے ساتھ ہمدردی کرو۔ اسی طرح ہر خبر کو دیکھ لیجئے تو

---

(۱) مشکل مضامین (۲) سمجھنا مشکل ہے (۳) مقصود صرف خبر دینا نہیں بلکہ حکم کرنا ہے (۴) قرآن کریم میں جتنے جملوں میں کچھ خبریں بیان کی گئی ہیں ان سے مقصود کسی نہ کسی بات کا حکم دینا ہے (۵) عقلمندوں (۶) اس کی خیریت معلوم کرو۔

ہر کلام مفید میں خبر سے مقصود انشاء ہوتی ہے اور جب ادنیٰ (۱) درجے کے حکماء کے کلام میں ایسا ہے تو خدا تعالیٰ کے کلام میں تو بدرجہ اولیٰ ایسا ہوگا۔ بس یہ کلام بھی جو اس موقع پر پڑھا گیا اگرچہ بظاہر خبر ہے لیکن بقاعدۂ مذکور (۲) اس سے بھی ایک نتیجہ مقصود ہے اور وہ جملہ انشائیہ ہے، یہ حاصل ہے اس آیت کا۔ نتیجہ کا پتہ انشاء اللہ اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے معلوم ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ نہایت غور کے قابل ہے۔

مسلمان اور حُبّ اللہ

فرماتے ہیں کہ (اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں بہت مضبوط ہیں)۔ اوپر سے بعضے لوگوں کی حالت بیان ہوتی چلی آ رہی ہے اگرچہ اس وقت اُس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں لیکن چونکہ یہ جملہ پہلے جملے پر معطوف ہے اس لئے توضیحِ ارتباط (۳) کیلئے ترجمہ میں اس کی بھی ضرورت ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ (بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ خدا کے سوائے ایسے شریک بھی ٹھہراتے ہیں کہ جن کو خدا کے برابر محبوب رکھتے ہیں اور جو لوگ ایماندار ہیں وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں بہت مضبوط ہیں)۔ حاصل جملے کا یہ ہوا کہ مسلمان خدا تعالیٰ کی محبت میں بہت مضبوط ہوتے ہیں۔

ترجمہ سن کر معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس مقام پر ایک جملہ خبریہ ارشاد ہوا ہے لیکن بقاعدۂ مذکورہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس خبر سے ایک نتیجہ مقصود ہے اور وہی اس خبر کا ثمرہ (۴) ہے۔ لیکن بصورتِ خبر اس لئے بیان فرمایا کہ یہ حکم بہت ہی مہتم بالشان ہو جائے جیسا

---

(۱) معمولی لوگوں کے کلام میں (۲) ذکر کردہ قاعدہ کی وجہ سے اس خبر سے بھی مقصود حکم ہے (۳) ربط کی وضاحت کیلئے (۴) اس خبر کا نتیجہ ہے۔

کہ علمِ بلاغت میں ثابت ہو چکا ہے کہ اس تعبیر میں یہ نکتہ ہوتا ہے کہ مخبرِ صادق کے کلام میں خبر تو ضروری الوقوع ہے ہی پس انشاء کو اس کی صورت میں لانا تحریض ہے سامع کو، کہ اس کو ضرور واقع (۱) کرے تاکہ صورت عدمِ وقوع (۲) کی نہ ہو اور وہ نتیجہ اور ثمرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو خدا تعالیٰ کی محبت میں نہایت مضبوط ہونا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کے برابر کسی کی محبت اس کے دل میں نہ ہونی چاہیئے۔

ہر مسلمان کو اللہ سے شدید محبت ہے

اب دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ جو شان مومن کی خدا تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے وہ ہم میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ یعنی ہم خدا تعالیٰ کی محبت میں پورے طور پر مضبوط ہیں یا نہیں، اگر پورے طور سے مضبوط ہیں تو ہم ''والذین امنوا'' کے پورے مصداق ہیں ورنہ جس درجہ کی محبت ہوگی، اسی درجہ کا ایمان ہوگا۔ یعنی یہ تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ کسی مسلمان کو خدا تعالیٰ سے بالکل ہی محبت نہیں، تھوڑی بہت تو سب کو ہی ہے۔ کیونکہ یہ آیت کی رو سے ایمان کیلئے لازم ہے۔ اور انتفاءِ لازم مستلزم ہوتا ہے انتفاءِ ملزوم (۳) کو، بس اگر محبت کی بالکل نفی کی جائے گی تو اس کے ساتھ ہی ایمان کی بھی نفی کر دینی پڑے گی۔ حالانکہ ایمان بحمد اللہ ہم سب میں پایا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ محبت سب میں ہے بلکہ محبت کیساتھ اس کی شدت بھی ہر مومن میں پائی جاتی ہے

---

(۱) انشاء (حکم) کو بشکل خبر ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سامع کو اس بات پر ابھارا جائے کہ وہ اس کو ضرور واقع کرے (۲) تاکہ کوئی بھی شکل ایسی نہ ہو جس میں یہ ثمرہ مرتب نہ ہو (۳) یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی بات کے وقوع کیلئے لازم ہو اگر وہ نہ پائی جائے تو وہ بات بھی واقع نہ ہوگی۔ پس اگر محبت نہ ہونا تسلیم کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ ایمان ہی نہیں ہے۔

اسی آیت کی رو سے۔لیکن خود شدت کے بھی مراتب مختلف ہیں کہ کسی میں بہت شدت ہے اور کسی میں اس سے کم۔اور اسی مناسبت سے ایمان کے مراتب بھی مختلف ہوں گے۔ باقی ضعفِ محبت کسی مسلمان میں پایا ہی نہیں جاتا اور نہ پایا جاسکتا ہے کیونکہ شدتِ محبت (۱) کی نفی سے بھی ایمان کی نفی ہو جائیگی تو اس اعتبار سے مراتب کا اختلاف شدت بلکہ اشدّیت ہی میں رہا یعنی کسی کو اشد محبت ہے اور کسی کو اشد سے بھی اشد (۲)۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اشدّیتِ محبت ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔

اب اپنی حالت کو دیکھئے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ آپ کو اشدّیتِ محبت کس درجے کی ہے اور اس میں کلام ہی نہیں کہ آپ کو اشدّیتِ محبت حاصل ہے اور یہ بالکل نئی بات ہے ورنہ سب واعظین یہی کہتے ہیں کہ ہم کو خدا تعالیٰ سے محبت نہیں۔تو گویا میں نے آپ کو یہ نئی بشارت دی ہے یعنی اگر کوئی شخص فاسق، فاجر، گنہگار شرابی بھی ہے تو اس میں بھی اشدّیتِ محبت کی ہے۔لیکن باوجود اس اشتراک کے پھر بھی مراتب اس کے مختلف ہیں۔ کیونکہ ہر اشدّیت برابر نہیں ہوتی۔اور اشتراک اشدّیت اگرچہ اس وقت محسوس نہیں ہوتا لیکن امتحان کے موقع پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے۔

مثلاً اگر کسی مسلمان کے سامنے کوئی شخص خدا تعالیٰ کی شان میں یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو اگرچہ وہ مسلمان نہایت درجہ کا ضعیفُ الایمان ہو لیکن اس گستاخی کو سن کر اس قدر بے چین ہو جاتا ہے کہ ماں کی گالی سننے سے بھی اس قدر بے چین نہیں ہوتا۔اور اس درجہ کی بے چینی بدون اشدّیت (۳)

---

(۱) اللہ کے ساتھ ہر مسلمان کو شدید محبت اگر نہ مانیں تو ایمان کا انکار لازم آئے گا (۲) زیادہ محبت تو سب کو ہے کسی کو بہت زیادہ ہے کسی کو اس بہت زیادہ سے بھی زیادہ محبت ہے (۳) بغیر شدید محبت۔

محبت کے نہیں ہوسکتی۔پس معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کو خدا تعالیٰ سے اشد محبت ہے۔اگر ضعیف محبت ہوتی تو اس قدر بے چین نہ ہوتا گو بے چینی کسی نہ کسی مرتبے میں اس وقت بھی ہوتی۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی شخص کا ایک پیسہ گم ہوجائے تو اس کو بھی قلق ہوتا ہے اور اگر کسی کا ایک روپیہ گم ہوجائے تو اس کو بھی قلق ہوتا ہے اور کسی کی گنی (۱) گم ہوجائے تو اس کو بھی قلق ہوتا ہے اور دس گنی گم ہوجائیں تو اس کا بھی قلق ہوتا ہے لیکن پیسے کے گم ہونے کا قلق ضعیف ہوتا ہے اور روپے کے گم ہونے کا قلق شدید اور گنی کے گم ہونے کا قلق اشد ہوتا ہے اور دس گنی کا اشد سے بھی اشد ہوتا ہے۔

غرض کوئی فاسق بھی شدتِ محبت سے خالی نہیں ہے لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں فسق کی اجازت دیتا ہوں لیکن جو بات واقعی ہے اس کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

اسلام سے تمسخر کا اثر

اگر کوئی کہے کہ ہم تو خود اسلام کے ساتھ مسخرا پن کیا کرتے ہیں اور ہنسا کرتے ہیں اور ہم کو ذرا بھی بے چینی نہیں ہوتی۔تو ایمان کیلئے شدت محبت لازم کہاں ہوئی؟ تو میں کہوں گا کہ خدا کی قسم! اگر کسی شخص کی یہ حالت ہے تو وہ ہرگز مسلمان نہیں اگرچہ وہ اپنی زبان سے اپنے کو مسلمان کہے اور اگرچہ وہ کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہو اور اس وقت ایسے بہت سے لوگ ہیں کہ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان کو ذرا بھی پرواہ اس بات کی نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔

ہمارے وطن میں ایک ماسٹر عارضی طور پر آئے ہیں اور داڑھی منڈاتے ہیں۔ان سے جب داڑھی رکھنے کو کسی نے کہا تو کہنے لگے کہ داڑھی تو بکرے کے ہوا کرتی ہے۔

(۱) اشرفی۔

افسوس ہے کہ لوگ مولویوں کو فتویٰ تکفیر میں متعصب (۱) بتلاتے ہیں لیکن ان کو انصاف کرنا چاہئے کہ کیا یہ بات بھی کفر کی نہیں؟ میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ ایک ایسا شخص جس کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام داڑھی رکھتے تھے، صحابہ کرامؓ نے سب نے رکھی ہے اور پھر وہ یہ کہے کہ داڑھی تو بکرے کی ہوتی ہے کیا آپ لوگ انصاف کی رو سے اس کو مسلمان کہیں گے؟

دیکھو! اگر کوئی شخص عدالت کی توہین کرنے لگے تو وہ کتنا بڑا مجرم سمجھا جاتا ہے۔ تو کیا یہ توہین عدالت کی توہین کے برابر بھی نہیں۔ ہر معنی شناس جانتا ہے کہ عدالت کی توہین سلطنت کی توہین ہے۔ اسی طرح اسلام کے کسی حکم کی توہین شارع علیہ السلام اور بانی اسلام یعنی خدا تعالیٰ کی توہین ہے۔ پس اگر خدا تعالیٰ کی توہین کرنے کے بعد بھی ایمان نہیں گیا تو گویا ایمان سریش اور گوندھ ہوا کہ وہ ایسا چپکا ہے جو کسی طرح چھوٹتا ہی نہیں۔

صاحبو! اسلام ایسا سستا اور اتنا بے غیرت نہیں ہے کہ اس کو کوئی شخص دھکے بھی دے اور وہ نہ ٹلے۔ آج اکثر مسلمان روزے اور نماز کو فاقے اور اٹھک بیٹھک کہتے ہیں اور پھر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ حالانکہ ''كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِباً۔ (۲) (بڑا ہے وہ کلمہ جو ان کے مونہوں سے نکلتا ہے وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتے)

شعارِ اسلام کا مذاق اڑانے کا انجام

اور حدود بھی کوئی چیز ہیں یا نہیں۔ یہ اچھا اسلام ہے کہ تمسخر اور اہانت کرنے

---

(۱) مولویوں کو کفر کا فتویٰ دینے میں متعصب کہتے ہیں (۲) سورۃ الکھف: ۵۔

بھی نہیں جاتا۔افسوس ہے کہ اپنی ماں کے متعلق تو دوسروں سے بھی بے موقع الفاظ نہ سن سکیں اور اسلام کے متعلق خود خرافات اور تمسخر پر آمادہ ہوں۔سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسے لوگوں کا نکاح اگر کسی مسلمان عورت سے ہوا ہے تو اس قسم کے تمسخر (۱) سے وہ نکاح فوراً ٹوٹ گیا اور جو اولاد اس کے بعد پیدا ہوگی وہ سب ولد الزنا ہوگی۔

صاحبو! کھلی ہوئی بات ہے مگر لوگوں کو اس پر ذرا التفات نہیں ہے اور نظیر اس کی وہی ہے کہ اگر عدالت کی توہین کی جائے تو وہ سلطنت اور گورنمنٹ کی توہین کی جاتی ہے۔سو کیا وجہ ہے کہ دفعاتِ اسلام (۲) میں سے کسی دفعہ کی توہین یا کسی نبی کی توہین خدا تعالیٰ کی توہین نہ سمجھی جائے۔پس یہ شبہ جاتا رہا کہ تمسخر کے بعد بھی ہم تو مسلمان ہیں اور رفع اس طرح ہوا کہ وہ مسلمان نہیں اگرچہ کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہوں۔اور یہ مسئلہ بلا غبار (۳) ثابت رہا کہ جو مسلمان ہوگا اس کو خدا تعالیٰ سے شدتِ محبت ضرور ہوگی۔

شدتِ محبت کے درجات

لیکن اس میں درجات متفاوت ہوں گے۔مثلاً ایک شدت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے متعلق گستاخی سن کر بے چین ہو جائے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ محض خدا تعالیٰ کا ذکر ہی سن کر قلب میں ایک ولولہ پیدا ہو اور نافرمانی کے چھوڑنے کی فکر ہو جائے اور یہ سوچے کہ خدا تعالیٰ کے یہ انعامات مجھ پر ہیں اور اس قدر فضل و کرم ہے۔حالانکہ اگر دنیا میں کوئی چار پیسے ہم کو دیتا ہے تو اس کی کس قدر اطاعت کی جاتی ہے۔تو جب چار پیسے دینے والے کہ اتنی اطاعت ہوتی ہے

(۱) مذاق اڑانے سے (۲) قوانین اسلام (۳) یہ مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کہ ہر مسلمان کو اللہ سے شدید محبت ہے۔

تو خدا تعالیٰ کی اطاعت تو اس سے کہیں زیادہ ہونی چاہیئے اور اس کی نافرمانی کا تو وسوسہ بھی دل میں نہ آنا چاہیئے۔ غرض خدا تعالیٰ کا نام اور احکام سن کر یہ خیالات اطاعت کے پیدا ہوئے مگر چند روز کے بعد پھر ذہن سے نکل گئے۔ ایک درجہ یہ تھا۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس خیال کے ساتھ ہی اس پر عمل بھی شروع کر دیا یعنی جس قدر اسبابِ معاصی (۱) تھے سب کو ترک کر دیا، اگر اپنے پاس تصویر تھی اس کو چاک کر ڈالا، اور اگر حرام کی کمائی تھی اس کو مالکین کو واپس کر دیا، اگر مالک نہ مل سکے تو اس کو مالکین کی طرف سے صدقہ کر دیا، اگر نماز نہ پڑھتے تھے نماز شروع کر دی، پاجامہ اگر ٹخنوں سے نیچا تھا اس کو کاٹ کر ٹخنوں سے اونچا کر لیا، اور یہ پختہ قصد کر لیا کہ اب کوئی حرکت خلافِ حکم نہ کریں گے اور اس قصد کو نباہ دیا۔ یہ درجہ سب سے بڑھ کر ہے اور اس کے بہت سے اور مراتب بھی نکل سکتے ہیں لیکن میں نے قصرِ مسافت (۲) کیلئے مثال میں کم کر دیئے کہ عاقل آدمی خود ہی سب مراتب کو سمجھ لے گا۔

حاصل یہ ہوا کہ شدتِ محبت لازمِ ایمان اور اس کے مراتب مختلف اور جس مرتبے کی شدت اسی مرتبے کا ایمان ہوگا۔ اور یہی بات خدا تعالیٰ کو اس آیت میں بتلانا ہے اور مقصود اس بتلانے سے یاد دلانا ہے کہ تم شدت محبت کو اختیار کرو جس کی علامت اطاعتِ کاملہ ہے۔

شدتِ محبت اختیار کرنے کا حکم

اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے نوکروں سے یہ کہنے لگے کہ جو

---

(۱) جتنے گناہوں میں مبتلا ہونے کے اسباب تھے سب کو چھوڑ دیا (۲) لیکن میں نے مختصر بیان کرنے کے لئے مثالوں میں اختصار کر دیا۔

ہمارا وفادار نوکر ہوگا وہ ہماری اطاعت کرے گا۔تو ہر عاقل سمجھتا ہے کہ اطاعت اختیار کرو۔ورنہ جس قدر اطاعت میں کمی ہوگی اسی قدر وفا میں بھی کمی سمجھی جائے گی۔تو خدا تعالیٰ نے بھی اسی خبر کے ذریعے سے ہم کو تنبہ کیا ہے کہ تم شدتِ محبت اختیار کرو ورنہ اسی ضعیف درجہ کا تمہارا ایمان بھی ہوگا۔

اب غور کی بات یہ ہے کہ آپ اپنے قلب کو ٹٹول کر دیکھئے کہ آپ میں کس درجہ کی محبت ہے۔سو اس کا پتہ آسانی سے لگ سکتا ہے کیونکہ اس کے کچھ آثار ہوتے ہیں کہ وہ آثار جس مرتبے میں پائے جائیں محبت بھی اسی مرتبے میں ہوگی۔اور یہ گویا محبت کے پرکھنے کی کسوٹی ہے کہ جس طرح چاندی کا کھوٹا کھرا ہونا کسوٹی سے معلوم ہوتا ہے۔اسی طرح محبت کا کم اور زیادہ ہونا ان آثار سے معلوم ہوگا اور یہی کسوٹی ہے جس کو حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا ہے کہ ؎

خوش بود گر محکِ تجربہ آید بمیاں

تا سیہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد

حقیقت امر یہ ہے کہ بدون امتحان کے پتہ نہیں چل سکتا۔

شدّتِ محبت کے آثار

اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ ہم نے اپنے کو جانچا ہے یا نہیں۔اگر نہیں جانچا تو اب جانچنا چاہیئے۔اور اپنے افعال واقوال کو غور سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ شدتِ محبت کے آثار ہیں یا نہیں۔اور اگر آثار یوں سمجھ میں نہ آئیں تو آثارِ دنیا کے نظائر پر قیاس کر کے دیکھئے۔یعنی اگر دنیا میں کسی مرد یا عورت سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کے کیا

آثار ہوتے ہیں؟

سو آثار اس کے یہ ہوتے ہیں کہ اول تو ہر وقت کی یاد، کہ کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا جس میں محبوب کی یاد سے دل پُر نہ ہو۔ دوسرے نہایت خوشی سے اطاعت کرنا اور اس میں ذرا بھی کلفت(۱) نہ ہونا۔ مثلاً اگر وہ گھر بھر بھی مانگ لے تو اس میں کچھ بھی دریغ نہیں ہوتا۔ پس جب یہ دو چیزیں آثارِ محبت سے ہیں۔ تو انہیں کو پیش نظر رکھ کر اپنے کو جانچ لیں اور دیکھ لیجئے کہ چوبیس گھنٹے میں کتنی دیر آپ خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ خاص کر جب کہ ہر وقت اس کی نعمتوں میں بالکل سرتاپا غرق بھی رہتے ہو جن سے ہر وقت یاد آجانا طبعاً بھی ضروری ہے۔ صاحبو! یہ باتیں بھولنے کی نہیں ہیں کہ خدا کے دیئے ہوئے مکانوں میں رہتے ہو، اس کا دیا ہوا کھانا کھاتے ہو، اس کی دی ہوئی اولاد سے متمتع(۲) ہوتے ہو لیکن اس کو یاد نہیں رکھتے۔

دیکھو! اگر کوئی دوست تم کو دو آم بھیج دے تو ان کو کھاتے وقت دل میں اس کا تصور ضرور ہی رہتا ہے۔ ذرا انصاف سے کہئے خدا تعالیٰ کا دیا ہوا کھانا دونوں وقت تمہارے سامنے آتا ہے لیکن تم نے کسی دن بھی کھاتے وقت خدا تعالیٰ کو یاد کیا ہے؟ سارا کھانا کھا جائیں گے لیکن کسی لقمے پر بھی یہ خیال نہ ہوگا کہ یہ خدا کی دی ہوئی نعمت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بوجہ عقیدہ درست ہونے کے کسی کے پوچھنے پر ہم کہہ دیں کہ یہ خدا تعالیٰ نے ہم کو دیا ہے۔ کیوں صاحبو! پھر کیا اسی منہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو خدا تعالیٰ سے شدت محبت بدرجۂ مطلوبہ ہے؟ اور ہم کامل ایماندار ہیں؟ دیکھ لیجئے کہ اس کی خاصیتیں کس حد تک ہم میں پائی جاتی ہیں۔

---

(۱) پریشانی نہ ہو (۲) نفع اٹھاتے ہو۔

اگر کوئی کہے کہ ہم میں محبت کے خواص مشترک (۱) تو پائے جاتے ہیں جو ادنیٰ مسلمانوں میں بھی مشترک ہیں۔ مثلاً یہی کہ اس کی شان میں گستاخی سن کر بے چین ہو جانا، تو میں کہوں گا کہ کیا آپ کو ان مشترک خواص پر قناعت ہے؟

صاحبو! ذرا غور کر کے دیکھو کہ تمہارے پاس سوائے دولتِ ایمان کے اور کیا دھرا ہے؟ پھر اگر اسکے بھی ادنیٰ درجے پر قناعت کر لو تو غضب ہے۔

لازوال دولت

اگر کسی کو دولتِ دنیا پر ناز ہو اور اس لئے دولتِ ایمان کے کمال کا طالب نہ ہو، تو یاد رکھو! کہ یہ دولت بہت جلد تم سے چھوٹ جانے والی ہے۔ مثلاً چوری ہو گئی آگ لگ گئی اور یا تم اس سے بہت جلد چھوٹنے والے ہو۔ جب کہ مرنے تک تمہارے پاس ہی رہی۔ دنیا میں سب سے بڑا خوش قسمت وہ شخص سمجھا جاتا ہے کہ مرتے دم تک دولت اس کے پاس رہے۔ لیکن پھر بھی مرتے وقت آخر چھوڑنا پڑے گی اور اس وقت دس منٹ بلکہ ایک سیکنڈ کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ صاحبو! کیا کوئی عقلمند آدمی ایسے سرمایہ کو جو اتنی جلد چھوٹنے والا اور بعد کو ایسے لوگوں کے پاس جانے والا جو کہ آپ کے دشمن ہوں اور آپ اپنا سرمایہ ان کو دینا پسند نہ کرتے ہوں، سرمایہ کہہ سکتا ہے؟ کبھی نہیں! جب یہ سرمایہ قابلِ اعتبار نہیں تو اب بتلایئے کہ ابدالآباد (۲) تک کام آنیوالا اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے والا سرمایہ سوائے ایمان کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ یہ جلسہ مسلمانوں کا ہے اس لئے اس کے منوانے کیلئے دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مثلِ اصول موضوعہ کے پیشتر سے مسلّم (۳) ہے۔

---

(۱) محبت کی جو مشترک خاصیتیں ہیں وہ تو پائی جاتی ہیں (۲) ہمیشہ ہمیشہ کام آنے والا (۳) یہ پہلے سے ہی اصول موضوعہ کی طرح تسلیم شدہ ہے۔

اپنے ایمان کا جائزہ لیجئے

تو معلوم ہوا کہ ایمان ہی ایسی دولت ہے کہ چند روز کے بعد یہ قبر میں ساتھ دے گا۔ اور اسکے بعد پل صراط پر کام آئے گا۔ اس کے بعد میزان پر تولنے کے کام آئے گا۔ تو اگر اس کا کمال مطلوب نہ ہو تو ستم ہے۔ اس لئے دیکھنا ضرور ہوا کہ اس کا کمال ہم کو حاصل ہے یا نہیں۔ مثلاً یہی دیکھ لو کہ جو ایمان ہمارے پاس ہے آیا وہ اس قابل ہے کہ ان مواقعِ مذکورہ میں ساتھ دے سکے گا یا نہیں۔ اگر ہمارا ایمان ایسا ہے اور ہم کو یہ امید ہے کہ اس کی بدولت ہم پل صراط وغیرہ پر اول ہی مرتبہ سرخرو ہو جائیں گے تو نہایت خوشی کی بات ہے۔ اور اسکا اس قابل ہونا اس کے خواص اور آثار سے معلوم ہوگا اور اگر ہمارا ایمان ایسا نہیں ہے تو کیا کسی کو دوزخ کے سانپ بچھو اور طرح طرح کی تکالیف کی برداشت ہے؟ اگر کوئی اس کا مدعی ہو، تو ذرا مہربانی کر کے ہمارے سامنے ایک معمولی چراغ میں اپنی ایک انگلی جلا کر دکھلا دے۔ اور اگر اس کی تاب نہیں تو دوزخ کی آگ کی تاب کیوں کر ہوگی؟ اور جب اس کی تاب نہ ہوگی تو اس سے بچنے کا کیا سامان آپ نے فراہم کیا ہے اور کیا کیا تدابیر اس کیلئے اختیار کی ہیں؟

تکمیلِ ایمان کی ضرورت

صاحبو! اگر کوئی شخص دردِ گردہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے اور وہ اس کے ازالے کی کتنی تدبیریں کرتا ہے؟ حالانکہ دردِ گردہ کا مآل(۱) اس سے

---

(۱) دردگردہ کا انجام۔

زیادہ کچھ نہیں کہ وہ زندگانی کا خاتمہ کردے۔ اس کے بعد پھر ابدالآباد تک اس سے نجات خود بخود ہو جاتی ہے برخلاف اس تکلیف کے کہ اگر یہ شروع ہوگئی تو یا تو بالکل ختم نہ ہوگی اور یا اگر شمّہ ایمان (۱) کی وجہ سے ختم بھی ہوئی تو خدا جانے کتنی مدت کے بعد۔ جہاں کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَاِنَّ یَوْماً عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ'' (۲) تو اگر چار برس کی سزا بھی ہوگئی تو چار ہزار برس ہوئے۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور رّحیم ہیں۔ وہ سب تکالیف سے نجات دیں گے، لیکن اگر یہ ہوس کافی ہے تو تھوڑا سنکھیا بھی کھالینا چاہئے کیونکہ خدا تعالیٰ غفور رّحیم ہیں وہ بچالیں گے اور اگر سنکھیا کھا کر مر جانا خدا تعالیٰ کے غفور رّحیم ہونے کے منافی نہیں تو گناہ کر کے دوزخ میں جانا بھی اس کے غفور رّحیم ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ پس اس کا بچاؤ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ایمان اور محبت کی تکمیل اس کے آثار سے کی جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ اطاعت پوری کی جائے اور گناہ کو ترک کیا جائے۔

صاحبو! کس قدر افسوس ہے دنیا کے مکان کی تکمیل میں تو اس قدر انہماک کہ اگر ایک پرنالہ بھی رہ جائے تو چین نہ آئے اور قصرِ ایمان کی بنیاد تک ضعیف ہونے پر بھی پرواہ نہیں اور کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔ علیٰ ہذا اگر کسی کپڑے کی آستینیں ناقص رہ جائیں تو اس کیلئے دس جگہ کپڑا تلاش کریں گے اور پیکرِ ایمان کے ہاتھ پاؤں قلم ہو جانے پر بھی غم نہیں۔ غرض آپ صاحبوں کے نزدیک ہر چیز کی تکمیل کی ضرورت

---

(۱) تھوڑے سے ایمان کی وجہ سے (۲) اللہ کے یہاں کا ایک دن تمہارے شمار کردہ ہزار سال کے برابر ہے۔

ہے، مگر ایمان کی تکمیل گویا محض بے سود ہے حالانکہ اس کی تکمیل سب سے اول و ضروری ہے۔

ایمان اور راحت

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ وہ سرمایہ ہے کہ دونوں جہاں میں ساتھ رہنے کے علاوہ دونوں جہاں کی راحت بھی اسی سے ہے۔ آخرت کی راحت تو سب ہی جانتے ہیں کیونکہ ایمان ہی کی بدولت دوزخ سے نجات ہوگی۔ لیکن ایمان کے کامل ہونے سے دنیا کی بھی راحت ہوتی ہے۔ یہ بات شاید ابھی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ کیونکہ ظاہراً تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس قدر علم وعمل والے لوگ ہیں اور جو زیادہ پکے ایماندار کہلاتے ہیں۔ دنیوی مصیبت میں وہی زیادہ گرفتار نظر آتے ہیں۔ کوئی افلاس میں مبتلا ہے۔ کسی پر مخالفوں کا نرغہ ہے۔ علیٰ ہذا بڑے بڑے متقی فقر وفاقے میں اکثر مبتلا رہتے ہیں تو ان کو کیا خاک راحت ہوئی؟ لیکن آپ نے غور نہیں کیا کہ راحت کس چیز کا نام ہے۔ اگر آپ دنیا کے حالات اور دنیاوی نظائر میں غور کریں تو اس کا پتہ چل جائیگا۔ اول میں اپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ راحت کی حقیقت کیا ہے؟ آیا ظاہری ٹیپ ٹاپ چہل پہل یا کہ قلب کا اطمینان۔ سو ظاہر ہے کہ محض ٹیپ ٹاپ کا نام راحت نہیں۔ کیونکہ اگر کسی شخص کے پاس دس گاؤں بھی ہوں بڑے عالیشان قصر(۱) بھی رہنے کیلئے ہوں۔ حشم خدم(۲) بھی ہوں لیکن سلطنت کی طرف سے اس کو یہ حکم ہو جائے کہ ایک ماہ کے بعد تم کو پھانسی دے دی جائے گی۔ کیا کوئی عقلمند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ساز وسامان اس خبر سننے کے بعد کچھ بھی اس شخص کے لئے موجبِ راحت(۳) ہو سکتا

(۱) عمدہ محل (۲) نوکر چاکر بھی ہوں (۳) راحت وسکون کا باعث۔

ہے؟ بلکہ اگر سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت یہ ساز و سامان اور زیادہ کلفت اور حسرت کا موجب(۱) ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سامان موجبِ راحت نہیں بلکہ گا ہے باعثِ کلفت ہے۔

اس کے مقابلے میں ایک مزدور کو لیجئے کہ جو دو آنے روز کماتا ہے لیکن اس پر نہ تو کوئی دفعہ جرم کی عائد ہے نہ اس کو کوئی دوسرا غم ہے اب اگر اس رئیس سے کہا جائے کہ تم اپنی ساری جائیداد اس مزدور کو دے دو اور دو آنے روز لینا گوارا کرو۔ تو تم کو پھانسی سے نجات ہو جائیگی تو کیا وہ اس پر راضی نہ ہوگا؟ ضرور راضی ہو جائے گا۔ اور اگر اس مزدور سے پوچھا جائے کہ تم کو اس شخص کی ساری جائیداد دی جاتی ہے لیکن ایک مہینہ کے بعد تم کو پھانسی دی جائے گی۔ تو کیا یہ مزدور اس جائیداد کو لینا گوارا کرے گا؟ ہرگز نہیں! پس مزدور کا انکار اور اس رئیس کی رضا صاف بتلا رہی ہے کہ راحت اصل میں اطمینانِ قلب کا نام ہے نہ کہ ظاہری چہل پہل اور بھڑک کا۔

کمالِ ایمان سببِ اطمینان ہے

اب اس کے بعد آپ دیکھ لیجئے کہ حضرات اہل اللہ پر اگر ظاہری کوئی مصیبت بھی آتی ہے تو اگرچہ طبعاً کچھ اثر ہو لیکن پریشانی نہیں ہوتی نہ وہ مضطر(۲) ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ اندر سے نہایت خوش ہوتے ہیں برخلاف اس کے اگر اہلِ دنیا پر ایک صدمہ بھی آ جائے تو کھانا پینا اور آرام سب چھوٹ جاتا ہے۔ اور یہ محض نقصِ ایمان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو وہ شبہ جاتا رہا کہ ایمان والے بھی تکلیف میں ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ایمانِ کامل دنیا میں بھی موجبِ راحت ہے۔ تو پھر غضب ہے

(۱) پریشانی اور افسوس کا باعث ہوگا (۲) پریشان ہوتے ہیں۔

کہ ایسے نایاب اور عجیب وغریب سرمایہ کی تکمیل کی طرف سے اس طرح بے پروائی کی جائے۔

ذکر کا اہتمام

صاحبو! آپ کو اس کی تکمیل کی فکر کرنی چاہئے۔ اس طرح سے اس کے علامات و آثار یعنی ذکرِ دائم(۱) اور اطاعتِ دائمہ(۲) اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن ذکر اس کو نہیں کہتے کہ محض زبان سے رٹ لیا(☆) اور دل میں وہی دنیا کی خرافات بھری رہیں۔ ایسے ذکر سے کچھ نفع نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے

بر زباں تسبیح و در دل گاؤخر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر(۳)

یہ یاد تو ایسی ہے جیسے کوئی طوطے کو نبی جی بھیجو یاد کرائے کہ وہ ہر وقت اسی کو رٹا کرے۔ مگر جب بلی آکر دبائے گی تو سوائے ٹاں ٹاں کے کچھ بھی یاد نہ آئے گا۔ یہ ذکر بھی ایسا ہی ذکر ہے۔ ذکر تو وہ ہے کہ دل اور زبان سب اسی میں محو ہو جائیں۔ کم سے کم ایسی حالت تو ہو جو ایک مردار بازاری عورت کیساتھ ہوتی ہے۔ گو یہ حالت تدریجاً ہو مگر اس کا قصد تو رہنا چاہئے۔ پس ایک اثر تو کمالِ ایمان ومحبت کا یہ ہے۔ دوسرا اثر اس کا سہولتِ طاعت ہے۔ سو اس کو بھی دیکھ لیجئے کہ خدا و رسول ﷺ

---

(۱) ہمیشہ اللہ کا ذکر کریں (۲) اللہ کے احکام کی ہمیشہ تابعداری کریں (☆) مراد اس ذکر لسانی سے وہ ذکر لسانی ہے جس سے ذکر قلبی کا پیدا ہونا بھی مقصود نہ ہو کہ یہ ذکر کچھ مفید نہیں اور اگر سر دست محض ذکر لسانی ہو لیکن اس مقصد سے ہو کہ اس سے ذکر قلبی پیدا ہو جائے تو تجربہ ہوا ہے کہ یہ ذکر لسانی بھی مفید ہے۔ کما صرح به فی تربیة السالك ۱۲ ۔سعید۔ (۳) زبان پر کلمات تسبیح وتقدیس اور دل برے خیالات سے پُر ایسی تسبیح کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔

کا حکم سن کر ہماری کیا حالت ہوتی ہے۔ جیسے کسی نے گولی ماردی ہو۔اس سے زیادہ اس کا کیا ثبوت ہوگا کہ ہر عمل ہر خلق میں ہم نے شریعت کے خلاف ایک نرالا طریقہ تجویز کر رکھا ہے۔ گویا شریعت اسلام کے مقابلے میں ایک دوسری شریعت بنائی ہے اوراس کو اپنے لئے فخر وہنر سمجھا جاتا ہے۔

شریعت اور رسوم

اس کے متعلق اگر ایک ایک جزئی کو بیان کیا جائے تو بہت سا وقت صرف ہوگا۔لیکن میں مختصر طور پر بیان کرتا ہوں۔مثلاً شادی اورغمی کی رسمیں ہیں۔کیا آج کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ رسمیں شریعت کے خلاف نہیں ہیں۔اوراگر واقعی کسی کو معلوم نہیں تو اس کو چاہئے کہ اس قسم کی کتابیں مطالعہ کرے۔جواس کے بیان کرنے کیلئے تصنیف کی گئی ہیں۔یا جو لوگ اس مجمع میں موجود ہیں۔وہ اسی وقت کچھ سن لیں۔

سنئے! شادی غمی کی رسمیں دو قسم کی ہیں۔ایک تو وہ ہیں جن کا قبیح (۱) ہونا نہایت ہی ظاہر ہے۔اور شرفاء وثقات (۲) نے ان کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔اب صرف اَسافِل اور فُسّاق الناس (۳) اس میں مبتلا ہیں۔مثلاً ناچ رنگ وغیرہ۔اور بعض وہ رسمیں ہیں کہ ان کا قبح اتنا ظاہر نہیں۔ان میں عوام اور خواص قریب سب مبتلا ہیں۔اوران کو بالکل جائز سمجھا جاتا ہے۔بلکہ بسا اوقات ادعائے تقویٰ (۴) کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ہم نے شادی میں کونسی رسم کی ہے۔نہ ہمارے ہاں ناچ ہوا نہ باجا منگایا گیا۔پھر ہم نے کیا گناہ کیا؟

---

(۱) برا ہونا (۲) شریف اور معتبر لوگوں نے (۳) نچلے درجہ کے گناہگار اس میں مبتلا ہیں (۴) اپنے تقویٰ کے دعوے کے طور پر۔

گناہ کی تعریف

سو میں بتلاتا ہوں کہ آپ نے کیا گناہ کیا ہے لیکن پہلے مجھے یہ بتلا دیجئے کہ گناہ کہتے کس کو ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو امر شرعاً ممنوع ہو وہ گناہ کہلاتا ہے خواہ وہ ناچ ہو یا کوئی دوسرا امر ہو۔ کیونکہ ناچ بھی تو اسی واسطے حرام ہوا کہ شریعت نے اس کو حرام اور جرم قرار دے دیا، اب دیکھنا یہ ہے کہ ناچ کے علاوہ دوسری رسوم کو بھی شریعت نے جرم قرار دیا ہے یا نہیں۔ اس پر مفصل گفتگو تو "اصلاح الرسوم" میں ملے گی میں مختصر اس وقت بقدرِ ضرورت بیان کیے دیتا ہوں۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں تکبر کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ" (۱) (کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتے)۔

حدیث شریف میں ہے "لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر" (جس کے قلب میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا)۔

دوسری حدیث میں ہے "من لبس ثوب شهرة البسه الله ثوب الذل یوم القیٰمة" (اگر کوئی شہرت کے لئے کپڑا پہنے گا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا لباس پہنائیں گے)۔ اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ فخر کیلئے کوئی کام کرنا حرام ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: "من سمع سمع الله به

---

(۱) سورۂ لقمٰن: ۱۸۔

ومن رای رای اللہ بہ‘‘۔ اس سے معلوم ہوا کہ دکھلاوے اور شہرت کا کام کرنا حرام ہے۔

رسوم میں نیتِ فخر

اب غور کر کے دیکھئے کہ شادیوں میں جو کام ہم کرتے ہیں اور جن کے لئے ہم نے نہایت خوبصورت الفاظ تراش رکھے ہیں کہ بھات دیا ہے اور بھائیوں کو کھلایا ہے۔اور بیٹی کو دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ان میں نیت ہماری کیا ہوتی ہے؟ صاحبو! محض الفاظ کے خوبصورت ہونے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل جاتی۔سب سے بڑی چیز نیت ہے۔لہذا نیت کو دیکھنا چاہئے۔کیا ہم لوگ یہ تمام رسمیں محض رسم اور نمود کیلئے نہیں کرتے؟ بہنوں کو بڑا بڑا بھات دیا جاتا ہے۔اور اس کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔کیوں صاحبو! آج سے آٹھ دن پہلے بھی تو یہ بہن آپ کی بہن تھی۔پھر کیا آپ نے کبھی اس کی خبر لی؟ کبھی بہن کے فقر و فاقہ پر آپ کو رحم آیا ہے۔نیز اگر یہ صلہ رحمی ہے تو تمام برادری کو اس کا معائنہ کرانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کبھی اپنی لڑکی کیلئے کپڑا خریدتے وقت یا اس کو کھلاتے پلاتے وقت بھی آپ نے برادری کو جمع کیا ہے۔اگر نہیں کیا تو بھات اور جہیز دیتے وقت برادری کو کیوں جمع کیا جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ محض فخر اور نمود کیلئے ایسا کیا جاتا ہے۔بس یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ یہ سب رسوم محض شہرت کیلئے ہیں۔اور شہرت کیلئے جو کام کیا جاتا ہے کہ وہ بروئے حدیث حرام ہوتا ہے۔تو یہ سب رسوم بھی حرام ہی ہوئیں۔

نیوتہ کی رسم

بالخصوص ایک رسم تو ایسی گندی ہے کہ وہ توبہ سے بھی معاف ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ اس کی توبہ بھی مشکل ہے۔اور لطف یہ کہ اسکو بظاہر عبادت سمجھا جاتا ہے۔ اوراس پر فخر کیا جاتا ہے اور وہ رسم نیوتہ لینا دینا ہے۔لوگ اس کو قرضِ حسنہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی بھائی کی مدد کرتا ہے اور مدد کرنا عبادت ہے۔تو گویا نیوتہ دینا عبادت ہوا، حالانکہ نیوتہ دینا اس قدر بری رسم ہے کہ سب رسموں میں گندی ہے۔اس کو شاید آپ نے آج تک نہ سنا ہوگا۔مگر میں اس وقت انشاء اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت بیان کروں گا۔اور وہ کوئی نئی اور عجیب بات نہ ہوگی بلکہ پرانی بات ہے لیکن آپ نے عدمِ توجہ کے سبب اس میں غلطی کررکھی ہے۔مقدمات سب آپ کے مسلّم ہیں صرف نتیجہ میں آکر غلطی کررکھی ہے۔جیسے کسی شخص نے تَبَّتْ کے ہجے کیے تھے۔ت ب زبر تب، ب ت زبر بت اور رواں پڑھا تھا تبطخ۔تو آپ نے بھی ہجے تو صحیح کیے ہیں صرف رواں میں غلطی کررہے ہیں جس کو میں بتلاتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ یہ امر سب کو مسلّم (۱) ہے اور کوئی شخص اس سے منکر نہیں کہ نیوتہ ایک قرض ہے۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرض واجب الاداء ہوتا ہے۔تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرض خواہ کی موت کے بعد اس کا کل ترکہ اس کے ورثاء کی مِلک ہوتا ہے خواہ وہ ترکہ عین (۲) ہو یا کسی کے ذمہ دَین ہو۔مثلاً اگر کوئی شخص مرے اور سو روپے اس کے گھر میں موجود ہوں اور سو روپے ادھار میں تو اس کا کل ترکہ دو سو روپیہ سمجھا جائے گا اور یہ دو سو روپیہ ملا کر سب ورثاء کو تقسیم کیے جائیں گے۔

---

(۱) اس بات کو سب مانتے ہیں (۲) خواہ وہ ترکہ میں چھوڑی ہوئی کوئی چیز ہو یا کسی کے ذمہ اس کا قرض ہو۔

ان تینوں مسئلوں کے معلوم ہونے کے بعد دیکھئے کہ نیوتہ میں کیا ہوتا ہے؟ سو نیوتہ میں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص نے پچیس جگہ دو دو روپے دیے اور اس طرح پچاس روپے اس کے قرض میں پھیل گئے۔اور اس کے بعد یہ شخص مرا اور دو بیٹے اس نے وارث چھوڑے جن میں ایک بالغ دوسرا نابالغ۔تو موجود ترکے میں سے تو ان دونوں نے نصفا نصف لے لیا۔وہ بھی جب کہ بڑا بھائی ایماندار ہو لیکن جو نیوتہ میں قرض ہے اس کو کوئی بھی تو تقسیم نہیں کرتا۔چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر چند روز کے بعد اس بالغ لڑکے کی کسی اولاد کی شادی ہونے لگی تو لوگ وہ نیوتہ اسی کو لا کر دیں گے اور یہ بلا تامل سارا نیوتہ خود ہی خرچ کرے گا۔اور اپنے کو ہی اس کا مالک سمجھے گا۔حالانکہ ان پچاس میں سے پچیس روپے اس کا حق ہے اور پچیس روپے اس کے چھوٹے نابالغ بھائی کا حق ہے۔اسی طرح علی العموم (۱) تمام نیوتوں میں یہی کیا جاتا ہے۔کیا کوئی شخص بتلا سکتا ہے کہ کسی نیوتہ کو فرائض کی رو سے تقسیم کیا گیا ہو؟ میرے خیال میں ایک جزئی بھی اس کی نہیں بتلائی جا سکتی۔تو اس میں ایک گناہ تو اس بالغ کو ہوا کہ اس نے یتیم کا مال کھایا۔قرآن شریف میں ہے۔"ان الذین یأکلون اموال الیتٰمی ظلما انما یأکلون فی بطونھم نارا و سیصلون سعیرا" (۲) اور ایک گناہ نیوتہ واپس کرنے والوں پر ہوا کہ انہوں نے مشترک مال ایک شریک کو دے دیا۔اور لطف یہ ہے کہ نیوتہ دینے والے سمجھتے ہیں کہ ہم قرض سے سبکدوش ہو گئے۔حالانکہ ابھی پچیس روپے یتیم کے ان کے ذمہ باقی ہیں۔

---

(۱) عام طور پر (۲) بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں۔اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔سورۃ النساء:۱۰۔

تین پیسے کے حق کے عوض سات سو مقبول نمازیں دے دی جائیں گی

درِّ مختار میں روایت لکھی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کسی کے تین پیسے قرض کے رہ جائیں گے تو قیامت میں اس کی سات سو نمازیں قرض خواہ کو دلائی جائیں گی۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب مالک کے بیٹے ہی کو وصول ہو گیا ہو۔ اور اگر دو تین پشتیں گزر گئیں اور مناسخہ جاری ہو گیا۔ پھر تو خدا جانے دور تک کس کس کا حق اس میں متعلق ہو گیا۔ جس کا پہنچانا سخت ہی دشوار ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہ تو باپ دادا کے وقت سے چلا آتا ہے۔ تو میں کہوں گا کہ یہ عذر ہرگز قابل سماعت نہیں۔ کیونکہ اگر اس پر عمل کیا جاتا تو آج ہم لوگ مسلمان نہ ہوتے۔ آخر ہم کو اسلام تو اسی لئے نصیب ہوا کہ ہمارے باپ دادا نے اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کو ترک کر دیا۔ لہذا یہ عذر نہایت بارد(۱) ہے۔ اس کا علاج اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ پچھلے قرض کو تحقیق کر کے ادا کیا جائے۔ اور آئندہ کو یہ رسم بالکل چھوڑ دی جائے۔ یا کوئی عربی خواں یا انگریزی خواں اس کے سوا کوئی دوسرا علاج مجھے بتلائیں۔ غرض نیوتہ کی رسم نہایت گندی اور خراب ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ ثواب کا کام نظر آتا ہے۔ اور جب یہ اس قدر خراب رسم ہے تو جس میں ایک گونہ اعانتِ غریب کی مصلحت بھی ہے تو دوسری رسوم تو جس میں کوئی مصلحت بھی نہیں بالکل ہی قابل ترک ہوں گی۔ اسی طرح ہم نے ہر قدم پر ایک ایک رسم ایجاد کی ہے۔ جب تک وہ نہ ہو گویا شادی ہی نہیں ہو سکتی۔

---

(۱) یہ عذر نہایت بودا ہے۔

رسوم کی مضرتیں

ان رسوم میں جو دنیا کی مضرتیں ہیں ان کا بیان کرنا گو میرا منصب نہیں ہے لیکن ایک مختصر سے جملہ میں جس میں ایک گونہ رعایتِ غریب کی مصلحت بھی ہے تبرعاً ان کو بھی بیان کیے دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ مسلمانوں پر جس قدر تباہی آئی ہے زیادہ تر انہی رسموں کی بدولت آئی ہے کیونکہ آمدنی ہر مسلمان کی جتنی ہے سب پر ظاہر ہے اور خرچ ان رسموں کی بدولت جیسا کچھ ہوتا ہے وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ مآل(۱) اس مجموعہ کا اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ آج زمین رہن ہورہی ہے۔ اور کل مکان پر قرقی ہے۔ پرسوں زیور اور اثاث البیت (۲) نیلام ہورہا ہے۔ چوتھا دن نہیں آیا کہ میاں پابند رسوم بہ یک بنی و دو گوش (۳) رہ گئے۔

بعض لوگ اس کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ ہم میں گنجائش ہے اور ہم کو قرض نہیں لینا پڑتا۔ سو اول تو یہ جواب مسلَّم نہیں کیونکہ ہر حیثیت کا آدمی اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتا ہے۔ اور اس میں قرض لینا لازمی ہے۔ دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ ان کو قرض نہ لینا پڑے گا تو کم از کم ان کو اپنے غریب بھائیوں کا خیال تو ضرور ہی کرنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ ہم کریں گے تو حرص کے مارے وہ بھی کریں گے اور تباہ ہوں گے۔ تو اس سے ہم بھی نہ کریں۔ تیسرے جب یہ گناہ ہے اس لئے بھی اس کو چھوڑ دینا چاہئے گو دنیوی مضرت نہ بھی ہو۔

---

(۱) اس مجموعہ کا انجام (۲) گھر کا سامان (۳) رسموں کی پابندی کا یہ نتیجہ نکلا کہ پلے کچھ بھی نہ رہا۔

غمی کی رسموں کا حال

اسی طرح غمی کی رسمیں ہیں ان میں بھی جو کچھ کیا جاتا ہے، وہ محض شہرت کیلئے کیا جاتا ہے نہ کہ خدا کیلئے۔ کیونکہ اگر خدا کیلئے کیا جاتا تو پوشیدہ طور پر کرنا بھی گوارا کیا جاتا۔ اس دکھلانے اور سب پر ظاہر کرنے کا اہتمام کیوں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ محض شہرت ہی مقصود ہے۔

امتحان اس کا یہ ہے کہ اگر کسی پابندِ رسوم سے یہ کہا جائے کہ بجائے اس ڈھونگ کے تم پچاس روپے دس مساکین کو دے دو اور کسی کو خبر نہ کرو۔ وہ ہرگز راضی نہ ہوگا۔ بلکہ یوں سمجھے گا کہ اس طرح کرنے سے یہ پچاس روپے ضائع ہی ہو جائیں گے۔ اور کہے گا کہ اچھی مولوی صاحب نے رائے دی کہ پچاس روپے بھی خرچ کروں اور کسی کو خبر بھی نہ ہو۔

صاحبو! یہ تو آپ لوگوں کی حالتیں ہیں اور پھر کہا جاتا ہے کہ مولوی صاحب بخشنے سے روکتے ہیں۔ یہ تو بتلاؤ کہ خود آپ ہی کو کب ثواب ہوا تھا کہ دوسرے کو بخشتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مولوی تو آپ کو ثواب ملنے اور ثواب بخشنے کی ترکیب بتلاتے ہیں۔ ثواب سے منع نہیں کرتے۔ اور وہ ثواب بخشنے کی ترکیب یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے دو اور بائیں کو خبر نہ ہو۔ نیز اپنے خاص حصے سے دو۔ مردے کے کپڑے جن میں تمام ورثاء بالغ اور نابالغ کا حق متعلق ہو گیا ہے وہ نہ دو۔ اور اگر دو تو ان کو تقسیم کرلو۔ اور جو تمہارے حصے میں آئیں وہ دو۔ مشترک ہرگز نہ دو۔ تو ثواب کا طریقہ یہ ہے، نہ وہ جو آپ نے تراش رکھا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ نام بھی ہو اور ثواب بھی ہاتھ سے نہ

جائے۔ سو ریاء میں ثواب کہاں اور الٹا عذاب ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ اس کی بابت فرماتے ہیں۔

کلیدِ در دوزخ ست آں نماز   کہ در چشم مردم گزاری دراز(۱)

یہ نمونہ کے طور پر میں نے بیان کر دیا ہے۔ دوسری رسموں کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہئے۔ یہ تو دلائل قولیہ تھے۔

شادی اور غمی میں حضورؐ کا عمل

فعلی بھی سنو۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی کر کے دکھلا دیا کہ شادی اس طرح کرنی چاہئے۔ علیٰ ہذا اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی غمی کر کے بتلا دیا ہے کہ غمی یوں کرنی چاہئے۔ پھر جب ہم نے اس کے موافق نہ کیا اور ہر امر میں اپنی ٹانگ اڑا لی اور اس کا خلاف گراں ہوا تو سہولتِ اطاعت کہاں ہوئی۔ پھر محبتِ مطلوبہ کہاں ہوئی۔ اس محبت کا اثر تو یہ ہے کہ اطاعت میں سہولت پیدا ہو اور جب کہ ہم نے بالکل شریعت کے خلاف کیا کہ وضع وہ اختیار کی جو شریعت کے بالکل خلاف۔ معاشرت وہ پسند ہوئی جس کو شریعت سے کچھ بھی لگاؤ نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم کو کامل محبت خدا اور رسولؐ سے ہے۔

محبتِ کاملہ کے اسباب واثرات

خلاصہ یہ ہے کہ کامل محبت کے دو اثر ہیں۔ ایک دوامِ ذکر اور دوسرے سہولتِ اطاعت، اور یہی علامت کامل ایمان کی ہے۔ اگر ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں تو

---

(۱) ایسی نماز دوزخ کی کنجی ہے جس کو لوگوں کو دکھانے کیلئے خوب خشوع خضوع سے لمبی لمبی رکعتیں پڑھے۔

ہم کو اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہئے۔ صاحبو! یہ تو بفضلہٖ تعالیٰ بلا غبار ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی محبت کاملہ کا دعویٰ بدون ذکرِ دائم وسہولتِ اطاعت (۱) کے غلط ہے۔

محبت کاملہ کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں

اب یہ بات باقی رہی کہ آیا خدا تعالیٰ اس محبت کاملہ کے مستحق بھی ہیں یا نہیں؟ سو اس کو بھی سمجھ لو! کہ درحقیقت خدا تعالیٰ ہی مستحقِ محبت ہیں اور یہ ایسی ظاہر بات ہے کہ شریعت کے علاوہ عقل بھی اس کا فتویٰ دیتی ہے۔ اس لئے کہ محبت کے تین اسباب ہوا کرتے ہیں۔ یا یہ کہ کوئی شخص ہم پر احسان کرتا ہو اور اس کے احسان کی وجہ سے ہم کو اس سے محبت ہو۔ یا یہ کہ وہ خود نہایت حسین وجمیل ہو اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف میلانِ خاطر ہو۔ یا یہ کہ اس میں کوئی کمال پایا جاتا ہو اور وہ کمال باعث محبت ہو جیسے حاتم طائی سے اس کی سخاوت کے سبب اور رستم سے اس کی قوت کے سبب اور کسی عالم و فاضل سے اس کے علم وفضل کے سبب محبت ہو جاتی ہے۔

اب غور کیجئے کہ ان تینوں وجوہِ محبت میں سے کوئی وجہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ میں نہ پائی جاتی ہو؟ منعم (۲) وہ اتنے بڑے ہیں کہ کوئی ان کے برابر ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ سب ان کی مخلوق ومملوک ومحتاج ہیں۔ جمال ان کا اس حد تک ہے کہ کسی کو حاصل ہونا ممکن ہی نہیں۔ بڑے بڑے حسین وجمیل ان ہی کے حسن و جمال کے فیض سے حسین وجمیل بنے بیٹھے ہیں۔

چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگار ہا (۳)

علیٰ ہذا صاحبِ کمال اتنے بڑے ہیں کہ علمِ کامل انہی کو ہے۔ نیز ہر صفتِ

(۱) احکام الٰہی کی اطاعت گذاری اور ذکر کے بغیر محبت الٰہی کا دعویٰ بیکار ہے (۲) انعام کرنے والے (۳) ان کی خوبصورتی کو کیا کہوں کہ وہ تو اسی کی خوبصورتی کے مرہون منت ہیں۔

کمال علیٰ وجہ الکمال ان ہی میں پائی جاتی ہے۔تو انعام ونوال اورحسن و جمال اور فضل و کمال ہر طرح سے عقلاً ونقلاً ان ہی میں ہے۔ پس وہی مستحقِ محبت ہیں۔بس اب اپنے قلب کوٹٹولو کہ خدا تعالیٰ سے محبتِ کاملہ ہے یا نہیں اگر نہیں ہے۔

تو اس کی تحصیل کی تدبیر کرو اور تدبیر بھی میں بتلاتا ہوں اور اسی پر انشاء اللہ بیان کو ختم کردوں گا۔لیکن یہ نہ سمجھ لیں کہ محبت امر غیر اختیاری ہے۔اس کا پیدا کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے پھر اس کی تدبیر کیا ہو؟ تو کیونکہ یہ گمان غلط ہے محبت گو خود غیر اختیاری ہو مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں۔جن پر ترتب محبت کا عادۃً ضروری ہے اور ایسے امور میں خدا تعالیٰ نے ہر امر کی تدبیر بتلائی ہے۔

طریقِ تحصیلِ محبت

سو وہ تدبیر یہ ہے کہ تم چند باتوں کا التزام کرلو۔ایک تو یہ کہ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرلیا کرو۔ اگرچہ پندرہ بیس منٹ ہی ہو لیکن اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو۔

دوسرے یہ کیا کرو کہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور پھر اپنے برتاؤ کو غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کیا معاملہ کررہے ہیں اور ہمارے اس معاملہ کے باوجود بھی خدا تعالیٰ ہم سے کس طرح پیش آرہے ہیں۔

تیسرے یہ کرو کہ جو لوگ محبّانِ خدا(۱) ہیں ان سے علاقہ (۲) پیدا کرو۔اگر ان کے پاس آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی جاری رکھو۔لیکن اس خیال کا رکھنا

(۱) خدا سے محبت کرنے والے ہیں (۲) تعلقات بڑھاؤ۔

ضروری ہے کہ اہل اللہ کے پاس اپنے دنیا کے جھگڑے نہ لے جاؤ۔ نہ دنیا پوری ہونے کی نیت سے ان سے ملو۔ بلکہ خدا کا راستہ ان سے دریافت کرو۔ اپنے باطنی امراض کا علاج کراؤ اور ان سے دعا کراؤ۔

چوتھے یہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت کیا کرو کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے۔ وقت میں گنجائش نہیں ہے ورنہ میں اس کو مفصل طور پر بتلاتا۔

پانچویں یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ اپنی محبت عطا فرماویں۔

یہ پانچ جز کا نسخہ ہے۔ اس کو استعمال کر کے دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ بہت تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو جائیگی۔ اور تمام امراض باطنی سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ اور آپ ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰه'' کے پورے مصداق ہو جائیں گے۔ مگر ان پانچ اجزاء میں جو ایک جزو ہے اطاعت، وہ اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب احکام کا علم ہو اور احکام کا علم اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب ان کو سیکھا جائے۔ لہٰذا ایک چھٹے جزو کی اور ضرورت ہوگی۔

علمِ دین سیکھنے کا آسان طریقہ

وہ یہ ہے کہ علم دین سیکھا جائے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص مولوی عالم بنے۔ عالم بننے کیلئے تو صرف وہ لوگ مناسب ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے فراغ اور وقت دیا ہے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ اردو کے چھوٹے چھوٹے رسائل دینیہ جو اسی غرض سے لکھے گئے ہیں کسی سے پڑھ لیں اور اگر پڑھنے کیلئے وقت نہ ہو یا عمر زیادہ ہو جانے

کی وجہ سے دشوار معلوم ہو تو کسی سے سن لیں۔ سو اس کیلئے اس کی ضرورت ہے کہ ہر شہر میں ایک دو عالم ایسے رہیں کہ جن سے یہ کام یعنی ان سے پڑھنے اور سننے کے لئے جائیں۔ اور ان دونوں کاموں کے لینے کی چار صورتیں ہوں گی۔

اول تو یہ کہ اگر ان سے کوئی شخص پڑھنے جائے تو پڑھائیں۔

دوم یہ کہ اگر ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ بتلا سکیں۔

تیسرے ہر ہفتے میں ایک دن ایسا نکالیں کہ لوگوں کو جمع کر کے کوئی کتاب مسئلوں کی لے کر خود اس کے مسائل پڑھا کریں اور عام لوگ ان کو سنا کریں اور مسائل میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، معاشرت، معاملات وغیرہ سب کے احکام داخل ہیں۔ سب سنائیں۔

چوتھا کام ان کا یہ ہو کہ ہر ہفتہ یا پندرھویں دن ترغیب و ترہیب کا وعظ کہا کریں۔ وعظ کی مجلس کو بیانِ مسائل کی مجلس سے علیحدہ کرنے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ یہ تجربے سے ثابت ہو گیا ہے کہ وعظ میں مسائلِ فقہیہ کا زیادہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اکثر یاد میں بھی خلط ہو جاتا ہے۔ اور بالخصوص اس لئے بھی کہ وعظ میں اکثر لوگ مزیدار مضامین سننے کی غرض سے آتے ہیں۔ اس لئے وعظ میں زیادہ ترغیب و ترہیب کے مضامین ہوں۔

یہ چار کام ان کے سپرد ہوں اور ان کی تنخواہ اہلِ شہر خود اپنے ذمہ لیں اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ دیکھئے جس مقام پر طبیب نہیں ہوتا اور اہل شہر چندہ کر کے کسی طبیب کو بلاتے ہیں اور تنخواہ دیتے ہیں۔ تو کیا باطنی امراض کا ازالہ بدنی امراض کے برابر بھی ضروری نہیں ہے۔

عورتوں کا دستور العمل

یہ دستور العمل تو مردوں کیلئے ہے۔ رہیں عورتیں ان کیلئے آسان یہ ہے کہ

جو عورتیں پڑھی لکھی ہیں وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر بہشتی زیور وغیرہ پڑھا کریں اور جو پڑھی ہوئی نہیں ہیں وہ اپنے لڑکوں بچوں سے کسی وقت بہشتی زیور کے مسائل سن لیا کریں۔ اور یہ بھی نہ ہو تو لڑکیوں کو پڑھوا کر تیار کرلیں اور ان سے اسی سلسلے کو جاری کریں۔ یہ ہے مختصر دستور العمل۔ اس سے انشاء اللہ ہر شخص کو علمِ دین حاصل ہوگا۔ اور محبت بھی بڑھے گی اور دین کی تکمیل ہوگی۔

خلاصۂ وعظ

خلاصہ سارے بیان کا یہ ہوا کہ ایمان والوں کیلئے محبتِ کاملہ لازم ہے۔ اور محبتِ کاملہ کیلئے سہولتِ اطاعت لازم اور اس کی اطاعت کیلئے کچھ وقت ذکرُ اللہ کیلئے مقرر کرنا بھی مناسب ہے اور پھر طاعت کے لئے ضروری ہے واقفیت اور واقفیت حاصل کرنے کے سہل طریقے یہ ہیں۔ تو ان طریقوں پر عمل کیا جائے کہ علم حاصل ہو اور اس سے اطاعت میں سہولت ہو۔ اور اس سے محبت بڑھے اور ایمان کی تکمیل ہو اور یہ تدابیر اختیار کرکے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کیونکہ ہر امر اس کی مشیّت پر موقوف ہے۔ اس کی مشیّت نہ ہو تو یہ سب تدابیر بے سود ہیں۔ لیکن نری دعا پر بھی نہ رہنا چاہئے جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بزرگوں سے دعا کی التجاء کرتے ہیں خود کچھ نہیں کرتے۔

تدبیر اور دعا کو جمع کرو

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ سے ایک تاجر نے بمبئی میں کہا کہ حضرت دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ مجھے حج نصیب کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اس شرط

سے دعا کروں گا کہ جس روز جہاز چلے اس روز کامل اختیار تم مجھے اپنے اوپر دے دینا۔ کہنے لگے حضرت اس میں کیا مصلحت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مصلحت یہ ہے کہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں بٹھلا دوں گا اور پھر خدا تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمہیں صحیح وسالم پہنچا کر حج کرا دے۔ ورنہ میری خالی دعا کرنے سے کیا ہوگا جب کہ تم بمبئی سے باہر نکلنے کا قصد ہی نہ کرو۔

غرض محض دعا کرانے سے کام نہیں چلتا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اول کوشش کی جاوے اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ البتہ جو کام ایسے ہیں کہ ان میں تدبیر کو بالکل دخل نہیں ہے وہاں نری دعا ہی کافی ہے۔ مثلاً بارش کا ہونا کہ وہ محض خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہم اس کیلئے کوئی تدبیر کر ہی نہیں سکتے۔ لیکن جو کام ہمارے اختیار میں ہیں۔ جیسے خدا تعالیٰ سے محبت پیدا کرنا، ان میں نہ تو نری تدبیر پر اکتفا کیا جائے کہ وہ بسا اوقات ناز اور عُجب کا باعث ہو جاتی ہے اور نہ نری دعا پر بس کیا جائے کہ وہ کچھ مفید نہیں۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہماری تدابیر میں برکت عطا فرمائیں اور ہم کو موانع(۱) سے محفوظ رکھیں اور اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین یا رب العالمین!(۲)

---

(۱) رکاوٹوں (۲) اللہ تعالیٰ اس وعظ کو پڑھنے والوں کو اپنے احکام کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی کمالِ محبت عطا فرمائے۔ آمین۔ خلیل احمد تھانوی۔ ۱۲ جنوری ۲۰۰۷ء

آثار المحبّت

(اللہ سے محبت کی علامات)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تمہید وضرورتِ بیان	۳
۲	خبر سے مقصود انشاء ہے	۴
۳	مسلمان اور حُبّ اللہ	۵
۴	ہر مسلمان کو اللہ سے شدید محبت ہے	۶
۵	اسلام سے تمسخر کا اثر	۸
۶	شعارِ اسلام کا مذاق اڑانے کا انجام	۹
۷	شدتِ محبت کے درجات	۱۰
۸	شدتِ محبت اختیار کرنے کا حکم	۱۱
۹	شدتِ محبت کے آثار	۱۲
۱۰	لازوال دولت	۱۴
۱۱	اپنے ایمان کا جائزہ لیجئے	۱۵
۱۲	تکمیلِ ایمان کی ضرورت	۱۵
۱۳	ایمان اور راحت	۱۷
۱۴	کمالِ ایمان سبب اطمینان ہے	۱۸

۱۵	ذکر کا اہتمام	۱۹
۱۶	شریعت اور رسوم	۲۰
۱۷	گناہ کی تعریف	۲۱
۱۸	رسوم میں نیتِ فخر	۲۲
۱۹	نیوتہ کی رسم	۲۳
۲۰	تین پیسے کے حق کے عوض سات سو مقبول نمازیں دے دی جائیں گی	۲۵
۲۱	رسوم کی مضرتیں	۲۶
۲۲	غمی کی رسموں کا حال	۲۷
۲۳	شادی اور غمی میں حضورؐ کا عمل	۲۸
۲۴	محبتِ کاملہ کے اسباب واثرات	۲۸
۲۵	محبت کاملہ کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں	۲۹
۲۶	طریقِ تحصیلِ محبت	۳۰
۲۷	علم دین سیکھنے کا آسان طریقہ	۳۱
۲۸	عورتوں کا دستور العمل	۳۲
۲۹	خلاصۂ وعظ	۳۳
۳۰	تدبیر اور دعا کو جمع کرو	۳۳

نعت

بے تاب ہے فرقت میں یہ شیدائے مدینہ
خدمت میں بلا لیجئے آقائے مدینہ

کب تک غم دوری میں تڑپتا رہے آخر
کب تک دل بے تاب کہے ہائے مدینہ

اے شوق نگاہوں کے حجابات اٹھادے
بند آنکھیں کروں سامنے آجائے مدینہ

ہر گام پہ گلہائے تمنا ہیں شگفتہ
گلزار ہے میرے لئے صحرائے مدینہ

مقصد ہو مری زیست کا یہ تا دمِ آخر
کم ہو نہ مرے دل سے تمنائے مدینہ

کانٹے بھی ہیں جب میرے لئے باعثِ راحت
کیا لطف عطا کرتے ہیں گلہائے مدینہ

یہ مژدہ نسیم آپ کو ہر سال مبارک
صد شکر کہ اس سال بھی دیکھ آئے مدینہ

نسیم عثمانی

نعت

مدینہ کی فضا ہو اور میں ہوں وہ منظر دل ربا ہو اور میں ہوں

چھما چھم بارش انوار ہر دم وہ رحمت کی گھٹا ہو اور میں ہوں

وہاں کا ذرہ ذرہ مہرِ تاباں مرے دل کی ضیا ہو اور میں ہوں

میں بیمار محبت وہ مسیحا مرے دل کی دوا ہو اور میں ہوں

میرا کام و دہن مصروف ہر دم زباں صلِّ علیٰ ہو اور میں ہوں

مدینہ میں مجھے جلدی بلالو یہی اک التجا ہو اور میں ہوں

نسیم صبح کی اٹھکیلیاں ہوں وہ گل بادصبا ہو اور میں ہوں

نسیم عثمانی

نعت

گناہگار کا دار الشفا مدینہ ہے
ہر اہل درد کے دکھ کی دوا مدینہ ہے

سرور دل کا نظر کی ضیا مدینہ ہے
کدورتوں کی مکمل جلا مدینہ ہے

وفورِ شوق تری ابتدا مدینہ ہے
مذاقِ دید تری انتہا مدینہ ہے

یہاں پہ بارشِ انوار کا یہ عالم ہے
کہ گویا خلد بریں کی فضا مدینہ ہے

نہ خوف کھا سرِ محشر حضور ہوں گے شفیع
گناہگار ترا آسرا مدینہ ہے

بھٹک رہا ہے مسافر تو کیوں بیاباں میں
کدھر کو رخ ہے ترا راستہ مدینہ ہے

چمن میں تیری یہ اٹھکیلیاں ہیں لاحاصل
ترا ٹھکانا نسیم صبا مدینہ ہے

نسیم عثمانی

التجا

کر کے دو عالم سے بیگانہ مجھے
ہاں بنالو اپنا دیوانہ مجھے

پینے والے پی چکے بھر بھر کے جام
اپنا صدقہ ایک پیمانہ مجھے

جس کا عنواں مختصر قالوا بلا
یاد اب تک ہے وہ افسانہ مجھے

دل کی آبادی کا ساماں ہوگیا
آرہا ہے یاد ویرانہ مجھے

تا بہ کے پھرتا رہوں گا دربدر
اب دکھا دو اپنا کاشانہ مجھے

میرے دل میں آپ بس جائیں اگر
حاجتِ کعبہ نہ بت خانہ مجھے

آج سے رندوں میں شامل ہے نسیم
اتنا کہہ دے پیر میخانہ مجھے

نسیم عثمانی